لیبیا میں شریعتِ اسلامیہ کی ہشت روزہ کانفرنس

—— از جناب حبیب ریحان صاحب ندوی، لکچرار اسلامک انسٹیٹیوٹ بیضاء (لیبیا) ——

۲۲ ربیع الاول تا ۲۸ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ (۶ تا ۱۲ مئی ۱۹۷۲ء) لیبیا کے مشہور شہر البیضاء میں لیبیا یونیورسٹی کے لغت عربیہ و دراساتِ اسلامیہ کالج کی طرف سے ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی جس میں عالمِ عربی کے شریعت، اسلامیات، ملکی قانون، انشورنس کمپنیوں اور بنکوں کے نمائندوں وغیرہ نے شرکت کی۔ وقت کی کمی کی بنا پر اس کانفرنس کو عرب علماء تک محدود رکھا گیا۔

کانفرنس کے اس عظیم الشان اقدام پر دل کی گہرائیوں سے ہر مردِ مومن لیبیا کی حکومت کو مبارکباد پیش کرتا ہے، کیونکہ یہ دراصل اُس تاریخی قرارداد کی ایک کڑی تھی جس کی رو سے گذشتہ سال یہاں کی حکومت نے اسلامی شریعت کے مکمل قانون کو ملک میں نافذ کرنے کا منصوبہ پیش کیا تھا اور اس سلسلے میں تین ذیلی کمیٹیاں بنائی تھیں جو لیبیا کے موجودہ قوانین میں سے غیر اسلامی چیزیں جمع کریں اور پھر اسلامی شریعت کے مطابق انہیں ڈھالیں۔ یہ کمیٹیاں سپریم کورٹ کے فاضل چیف جسٹس اُستاد علی علی منصور کی زیرِ نگرانی تیزی سے اپنا کام کر رہی ہیں۔ یہ کانفرنس دراصل اسی لیے بلائی گئی تھی کہ قوانین اسلامیہ مرتب کرنے والی کمیٹیوں کو اس کی بحثوں اور قراردادوں سے اپنے کام میں مدد ملے۔ انشاءاللہ اگر یہ کام اسی انداز پر ہوتا رہا تو مستقبل قریب میں وہ دن دُور نہیں جب شریعتِ اسلامیہ کا قانون اپنے شمول و عموم کے ساتھ صرف عبادات اور پرسنل لاہی میں نہیں بلکہ تجارتی معاملات سے لیکر حدود و قصاص اور بین الاقوامی امور تک میں نافذ ہوگا، اور خدا کی سرزمین پر خدا کا مکمل مادی قانون جو لوگ بھی نافذ کریں گے فرشتگانِ رحمت ان پر نور اور رحمت کا سایہ کریں گے۔

حکومت نے اِن دو سالوں میں اسلامی نظامِ زندگی کو نافذ کرنے کے سلسلے میں کیا کیا احکام صادر کیے اور کس طرح ان کی تطبیق کی کوششیں کیں، مثال کے طور پر شراب کی ممانعت، زکوٰۃ کا اجراء، جہاد فنڈ کا افتتاح، جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیہ کا قیام وغیرہ، یہ سب تفصیلی بحثیں ہیں۔ نیز ہفتہ بھر پر محیط اس کانفرنس میں کن کن

موضوعات پر بحثیں ہوئیں، ان سب کی تفصیل انشاء اللہ مستقبل قریب میں شائع ہونے والی ایک کتاب میں مبسوط طور پر نشر کی جائے گی، جس کا عنوان ہوگا "لیبیا میں اسلامی شریعت کے نفاذ کی کوششوں کا مختصر جائزہ"۔ یہاں میں انتہائی اختصار کے ساتھ اس کی رُوداد پیش کرتا ہوں جس میں مکمل تصویر نہیں کھینچی جاسکتی۔

افتتاحی اجلاس | ۶ مئی کی صبح کو ۱۰ بجے حالیہ گورنمنٹ ہاؤس (سابق پارلیمنٹ) کے خوبصورت ہال میں کانفرنس کا افتتاح تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا۔ ہال علماء، فضلاء، اساتذہ، اور قانون دان حضرات سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ عظیم الشان شخصیتوں میں اسلامی شریعت و قانون کے امامِ وقت اور مجتہد فضیلۃ الشیخ محمد ابوزہرہ، فضیلۃ الشیخ علی الخفیف، ازہر یونیورسٹی کے چانسلر فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبداللطیف، شام کے فقہی عالم استاد مصطفیٰ الزرقاء، اور ممتاز دوسری ہستیاں بھی تھیں جن کے نام ان کی ابحاث کے ساتھ آئیں گے۔ افتتاح کے بعد لیبیا کی انقلابی کمیٹی کے ممبر اور نمائندہ کیپٹن عمر عبداللہ المحیشی نے مختصر تقریر کی جس میں کانفرنس کے قیام پر علماء کرام کو مبارک باد پیش کی اور اسلامی شریعت کے مکمل نفاذ کا وعدہ کیا۔ پھر لیبی یونیورسٹی کے چانسلر ڈاکٹر عمر التومی الشیبانی نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور حسنِ توفیق کی دعا کی۔ بعد ازاں مفتی لیبیا شیخ طاہر الزاوی نے اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ ان کے بعد سپریم کورٹ کے فاضل چیف جسٹس علی علی منصور نے تفصیلی طور پر شریعتِ اسلامیہ کے فائدوں اور اس کے نفاذ کی کوششوں کی وضاحت کی اور علماء و اہلِ قانون سے اپیل کی کہ ان کی مؤثر آراء اس سلسلہ میں بہت مفید اور کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔ پھر لغت اور شریعت کالج کے ڈین شیخ ابراہیم رفیدہ نے شریعت کے محاسن بیان فرمائے اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ آخر میں مہمانوں کی طرف سے مفتیٔ تونس شیخ محمد الہادی بلقاضی نے مختصر تقریر کی جس میں حکومت لیبیا، یونیورسٹی، شریعہ کالج، اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا، اور اس مومنانہ ارمان کا اظہار کیا کہ جس روز شریعتِ اسلامیہ مکمل طریقہ پر نافذ ہو جائے گی دنیا نور سے معمور ہو جائے گی۔

اسلامی شریعت ہر جگہ اور ہر زمانہ میں تطبیق کی صلاحیت رکھتی ہے | اس موضوع پر ۶ مئی کی شام کو دوسرا اجلاس منعقد ہوا۔ یہ موضوع کیا ہے ایک مسلم الثبوت عقیدہ ہے جس میں کسی مسلمان کو شبہ کی گنجائش نہیں، لیکن سامراجی تعلیم و تربیت اور مسیحی مشنریوں کی جد و جہد، نیز مسلمانوں کی عام شریعت سے ناواقفیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ سورج سے زیادہ واضح اسلامی حقائق پر بھی تفصیلی ابحاث

پیش کرنی پڑتی ہیں تاکہ سامراجی پروپیگنڈا کا مکمل و مدلل جواب دیا جاسکے۔ ان ابحاث کی تفصیل اس اختصار میں پیش کرنی مشکل ہے اس لیے صرف ان حضرات کے نام لکھنے پر اکتفاء کرتا ہوں جنہوں نے ان میں حصہ لیا۔ شیخ ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن بیصار سکرٹری جنرل مجمع البحوث الاسلامیہ، ازہر۔ استاذ مصطفیٰ احمد الزرقاء، پروفیسر اردن یونیورسٹی، استاذ شیخ احمد حمانی پروفیسر الجزائر یونیورسٹی و صدر مجلسِ اعلیٰ اسلامی، ڈاکٹر محمد عبدالجواد پروفیسر لاکالج لیبیا یونیورسٹی، ڈاکٹر محسن الشکلی پروفیسر لاکالج لیبیا یونیورسٹی، ڈاکٹر مصطفیٰ احنین پروفیسر لغت و دراسات اسلامیہ کالج، استاذ یوسف القرضاوی مدیر معہد دینی قطر، استاذ محمد عجلان استاذ شریعۃ کالج ریاض، ڈاکٹر عبدالرزاق حسن فرج لیکچرار لاکالج لیبیا یونیورسٹی۔

۲۔ اسلام میں عام انسانی حقوق اور آزادی | تیسرا اجلاس، ۸ مئی کی صبح منعقد ہوا۔ کانفرنس کا طریقہ یہ تھا کہ اہلِ علم اپنی بحث کا خلاصہ ۱۰۔ ۲۰ منٹ میں پڑھ کر سناتے تھے۔ پھر ان کی طویل بحثیں سائیکلو اسٹائل پر چھپی ہوئی سارے حاضرینِ مجلس کو دے دی جاتی تھیں۔ ان کو پڑھ کر دوسرے اجلاس میں ان پر تفصیلی بحث مباحثہ ہوتا تھا جو مجادلانہ و مناظرانہ انداز کے بجائے مزید تنقیح و تحقیق کا باعث ہوتا تھا۔ آج کے اجلاس میں کل کی ابحاث پر مختصر مباحثہ ہوا جس کی تفصیلی کتاب میں درج کی جائے گی۔ اس کے بعد کانفرنس کا دوسرا موضوع "اسلام میں عام انسانی حقوق اور آزادی" شروع ہوا۔ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ انسان کو جان و مال اور آبرو سے متعلق جتنے حقوق اسلام نے عطا کیے ہیں نہ صرف یہ کہ قدیم عصرِ حجری اور زمانہ جاہلیت کی رسوم نے عطا نہیں کیے بلکہ اہلِ کتاب کی قانونی تشریحات اور رومن قانونی ترقی نے بھی اور حتیٰ کہ آج تک امریکن منشورِ آزادی، فرانسیسی منشورِ حریت اور اقوامِ متحدہ کے منشورِ حقوقِ انسانی نے بھی نہیں بخشے۔ اور جو کچھ بخشے بھی وہ پہلی بات تو یہ کہ اسلام کے سینکڑوں سال کے بعد، اور دوسری تلخ بات یہ کہ وہ صرف کاغذ پر خوشنما پھول کی طرح سجے ہوئے ہیں۔ مظلوم قوموں اور محروم افراد نے ان سے کوئی انصاف نہیں پایا، بلکہ ان کے لیے وہ خار بن کر خلش کا باعث ہیں۔ اور تیسری بات یہ کہ آزادی کے نام پر الحاد، بے حیائی، آوارگی، قومی لسانی، جنسی اور لونی تعصب پھیلایا گیا۔

بہر حال اس موضوع پر علمی و تقابلی انداز میں بہت اچھی بحثیں پڑھی گئیں اور یہ بتایا گیا کہ اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے پہلے دن سے آزادی کے حدود متعین کیے ہیں تاکہ ایک شخص کی آزادی سے کسی دوسرے شخص یا قوم کا نقصان نہ ہو گا۔ اسی طرح خدا اور اس کے احکام سے بغاوت کی آزادی نہیں

اس کے بعد نفس کی شرارتوں، حکام کے ظلم و ستم، اور شیطان کے فریبوں سے آزادی کی مکمل دعوت اسلام کے حیات بخش پیغام میں سموئی ہوئی ہے۔ اور اسلام نے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی وہ آزادانہ حقوق اور حریات عطا کی ہیں جن کی نظیر تاریخِ قدیم و جدید میں نہیں ملتی۔ اس اہم موضوع پر حسب ذیل حضرات نے ابحاث پیش کیں: ڈاکٹر شیخ بدوی عبداللطیف چانسلر ازہر یونیورسٹی، ڈاکٹر قطب محمد القطب اسسٹنٹ پروفیسر لغت و شریعت کالج، ڈاکٹر محسن الششکلی، ڈاکٹر صبحی صالح پروفیسر اُردن یونیورسٹی۔

۳۔ شریعتِ اسلامیہ کے بنیادی قواعد و اصول | یہ کانفرنس کا تیسرا موضوع تھا جو تیسرے اجلاس میں پیش ہوا۔ اس میں کتاب و سنت و اجماع اور پھر قیاس و اجتہاد وغیرہ سے متعلق بحث کی گئی اور یہ ثابت کیا گیا کہ فقہ اسلامی کی عظیم میراث اپنے اندر ایسی قانونی صلاحیت رکھتی ہے کہ ہر زمانہ میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل اس کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔ اور قیاس و اجتہاد کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ اصولِ شریعت کے خلاف نہ ہوں اور کسی بنیادی اصول سے نہ ٹکراتے ہوں اور اسلامی روح یعنی کتاب و سنت سے معارض نہ ہوں کہ یہی حق جانچنے کا معیار و میزان ہے۔ اور کسی ایسی چیز میں قیاس و اجتہاد کی اجازت ہی نہیں جس میں نص یعنی کتاب و سنت کی دلیل یا اجماع موجود ہو۔ اس موضوع پر بحث کرنے والوں کے نام یہ ہیں: ڈاکٹر عبدالجلیل قرنشاوی پروفیسر لا کالج لیبیا یونیورسٹی، ڈاکٹر عباس حمادہ اسسٹنٹ پروفیسر لغتہ و دراسۃ اسلامیہ کالج، ڈاکٹر حسین حامد حسان اسسٹنٹ پروفیسر لا کالج قاہرہ یونیورسٹی۔

۴۔ شریعتِ اسلامیہ میں مصلحت و عرف کا مقام | شام کے چوتھے اجلاس میں اس موضوع پر بحث کی گئی جو گذشتہ موضوع سے متصل تھا، لیکن خصوصی اہمیت کی وجہ سے اس کو علیحدہ رکھا گیا تھا۔ اور واقعی یہ موضوع انتہائی اہم ہے، کیونکہ اسلام کو قیامت تک زندگی کا ساتھ دینا تھا اور تمام اقوامِ عالم اس کے زیرِ اثر ہونے والی تھیں، اس لیے مصلحت و عرف کو بڑی اہمیت دی گئی، اور اس طرح تمام وہ رائج الوقت چیزیں جن میں کتاب و سنت یا اجماع نہیں ہے، یعنی وہ شرعی طور پر ممنوع نہیں ہیں، یا ان کے کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، ان میں امت کی عام مصلحت، فائدہ اور عرفِ صحیح پر عمل کیا جائے گا ایک زندہ و پائندہ شریعت کے لیے یہ ضروری چیز ہے۔ لیکن اس مصلحت، عرف اور آگے چل کر اجتہاد کے نام پر اسلامیات کے نام نہاد یورپین اور مسیحی اسکالر (مستشرقین)، اور ان کے مشرقی اسلام کے نام لیوا شاگردوں نے یہ بات عام کرنے کی پوری کوشش شروع کر دی ہے کہ اسلام مصلحت کے تقاضوں کو پورا کرنے کا

حکم دیتا ہے، اس لیے اب عرب کا بدویانہ عرف ساری دنیا کے لیے کیونکر موزوں ہو سکتا ہے؟ اور دوسری بات یہ کہ سینکڑوں برس بعد اب وہ کیسے قابلِ عمل رہ سکتا ہے؟ اس لیے اب عصرِ حاضر کے سارے ترقی یافتہ پیمانے ہی قابلِ قبول ہونے چاہییں۔ مثال کے طور پر اُس زمانہ میں سُود کا رواج غلط سمجھا جاتا تھا، اب جدید تمدن کا عُرف یہ ہے کہ سُود بہت بڑی تجارتی فائدہ کی چیز ہے۔ اس لیے اب اس کو بدل دینا چاہیے یا فلاں آوارگی، حرام کاری، حرام خوری عام ہو چکی ہے، یا فلاں شرعی قانون، یا فلاں چیز اب زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اس لیے اس میں ترمیم و تبدیلی کر لینی چاہیے۔ بہر حال اس قسم کی لاطائل باتوں اور حقیقتاً اصولِ شریعت و عقل کی ابتدا سے بھی جہالت و ناواقفیت آشکارا کرنے والی، شریعت کی مخالف اور اسلام بیزار لیکن بظاہر علمی و استدلالی انداز، شریعت کی محبت اور اسلام دوستی کا دم بھرنے والی ابحاث کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے کہ غیر شرعی قوانین شرعی ہیں، اور غیر اسلامی اقدار خالص اسلامی چیزیں ہیں، اور انسانی اوامر خدا کے احکام ہیں۔

حالانکہ اس سلسلے میں سب سے پہلی، اصولی اور آخری بات جسے فقہ کا ہر طالب علم جانتا ہے، اور یہ حضرات بھی اچھی طرح جانتے ہیں، لیکن سادہ لوح علمِ دین اور اصولِ فقہ سے ناواقف مسلمانوں میں غلط فہمی پھیلانے کے منظم منصوبے اور سازش کے ماتحت اس ابتدائی اور اصولی مسلم الثبوت اور بدیہی اور دین میں معلوم بالضرورۃ قاعدہ سے نظر پوشی و اغماض کرتے ہیں —— وہ اصول یہ ہے کہ مصلحت اور عرف پر اُسی صورت میں عمل کیا جائے گا یا اجتہاد کی نوبت اُسی وقت آئے گی جب اس معاملہ میں کتاب و سنت کا کوئی قطعی حکم موجود نہ ہو، پھر وہاں بھی اجتہاد اُن مسائل پر قیاس کے ساتھ ہوگا جن میں نص موجود ہو، اور وہ رُوحِ شریعت اور شرعی اصولوں اور تقاضوں کے ماتحت ہوگا۔ عرف و مصلحت کا حال بھی یہی ہے کہ عبادات و احکام میں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ زندگی کے عام معاملات اور اجتماعی چیزوں میں جہاں مسلمانوں کو شارع نے آزاد چھوڑا ہے اور کسی قسم کا حکم یا ممانعت نہیں کی ہے وہاں وہ ایسے صالح عرف یا مصلحت پر عمل کر سکتا ہے جو اسلام کے کلی اصولوں، شریعت کے تقاضوں اور دین کی رُوح کے منافی نہ ہوں، جیسے کھانے پینے کے حلال طریقے، لباس وغیرہ کی متنوع شکلیں جو ساتر ہوں اور خصوصیت کے ساتھ غیر مسلم قوموں کا مذہبی شعار نہ ہوں، اسلحہ کے نت نئے استعمال، زراعت و صناعت کے جدید وسائل، اور دنیاوی استعمال کی بے شمار چیزیں۔ لیکن یہ بات شرعاً ہی نہیں بلکہ عقلاً

بھی سمجھ میں نہیں آسکتی کہ مصلحت، عرف یا اجتہاد کے نام پر کوئی مسلمان سُود، زنا، سؤر، شراب، والدین کی نافرمانی، قتلِ نفس، چوری اور متفرق دوسری محرمات کو امریکہ و یورپ کے عرفِ عام پر قیاس کر کے حلال کرنے کی کوشش کرے۔ یا بالکل اسی طرح عرفِ اسلامی میں اور نصِ قرآنی و نبوی میں منصوص طیبات جیسے شادی، طلاق، میراث، اکلِ حلال، نظامِ زکوٰۃ، توحید باری تعالیٰ، وغیرہ جیسی اسلام کی قابلِ فخر خوبیوں کو اپنی یورپ سے مرعوب و مسحور عقل سے کیے ہوتے اجتہاد، اور غیر قوموں کے اعمال پر قیاس کر کے حرام ثابت کرنے کی راہیں تلاش کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دن کی روشنی میں چراغ کی لو سے اپنی راہ تلاش کرنے کی سعی لاحاصل میں گرفتار ہو۔

بہرحال اس موضوع پر تفصیلی بحث کی گئی، تعریفیں بتائی گئیں، اقسام بیان کی گئیں اور یہ واضح کر دیا گیا کہ کتاب و سنت یا شریعت کی رُوح کے معارض کسی مصلحت یا عرف کو بھی اسلامی معاشرہ میں زندہ رہنے کا حق نہیں ہے لیکن صحیح عرف اور مصلحت کا صحیح استعمال اسلامی طرز پر جب کیا گیا تو مسلمانوں نے اقوام عالم کی خوبیوں اور علوم کو اپنانے میں کوئی دریغ نہیں کیا۔ البتہ مصلحت یا عرف کے نام پر اقوام عالم کی گندگیاں، آزادیاں، بدمعاشیاں، شہوت رانیاں، غیر شرعی چیزیں اور حرام طریقہائے زندگی ہرگز نہیں اپنائے جا سکتے۔

اس موضوع پر حسبِ ذیل حضرات نے گفتگو کی، ڈاکٹر زکی شعبان پروفیسر لا کالج لیبیا یونیورسٹی، شیخ عبدالمجید الدیبانی اسسٹنٹ پروفیسر لغۃ و دراسۃ اسلامیہ کالج، مفتی تونس شیخ محمد الہادی بلقاضی، ڈاکٹر عبدالجواد محمد اور ڈاکٹر حسین حامد حسان۔

۵۔ لیبیا کے حالیہ قوانین میں اسلامی اقدار | ۸ مئی کی صبح پانچواں اجلاس ہوا۔ سابقہ نشست کے موضوع پر تفصیلی مباحثہ ہوا جس کو نظر انداز کرتے ہوتے آگے بڑھتا ہوں۔ اس مباحثہ کی وجہ سے آج کے دو موضوعات میں سے صرف ایک ہی پر بحث کی جا سکی۔ ڈاکٹر عبدالعزیز عامر لغۃ و دراسۃ اسلامیہ کالج کے پروفیسر مصری سپریم کورٹ کے فاضل جج اور ترمیم قوانین کی ایک کمیٹی کے ممبر نے تفصیل سے اس موضوع پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ وہ قوانین جو شریعت کی مخالفت نہیں کرتے کافی ہیں لیکن بعض ایسے اہم نکات کی طرف اشارہ کیا گیا جو لیبیا اور اکثر اسلامی ملکوں کے قوانین میں موجود ہیں اور جو شریعت کی روح، خدا کے حکم اور اسلام کے سراسر مخالف ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سارے قوانین فرانسیسی، انگریزی اور جرمن قوانین سے ماخوذ ہیں اور سامراجی دور میں مسلم ملکوں پر لاد دیئے گئے تھے۔ مثال کے طور پر سود، کھیل کود میں جوا، لاٹری،

موجودہ اصولوں کے ساتھ انشورنس، زنا کا قانوناً غیر شادی شُدہ کے لیے کوئی جرم نہ ہونا، باہمی رضامندی کے ساتھ بھی اس کا کوئی جرم نہ ہونا اور صرف زنا بالجبر کا جرم ہونا۔ اس پر بھی شرعی سزا نہیں ہے بلکہ شادی شدہ ہونے کی حالت میں اگر میاں یا بیوی معاف کر دیں تو مقدمہ واپس ہو سکتا ہے۔ یہ سب مغربی انحطاط اخلاقی سے متاثر قوانین کی عکاسی ہے۔ اسی طرح قتلِ عمد کی صورت میں قصاص نہیں ہے۔

بہر حال یہ بحث تفصیلی تھی۔ یہاں ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہوں، شاید فائدہ سے خالی نہ ہو۔ وہ یہ کہ اسلام نے مغربی قوانین کے مخالف کیسا عاقلانہ فیصلہ کیا ہے کہ قتل کی صورت میں معافی کا حق حکومت کو نہیں دیا بلکہ ولی الدم کو دیا، اس لیے کہ یا تو اس طرح دل کا غبار اور غصہ عادلانہ قصاص کے ذریعہ ختم ہو جائے گا یا دیت کی شکل میں اور معافی کی صورت میں ــــ کہ اسلام نے اس پر ابھارا بھی ہے ــــ محبت و اخوت کی فضا پھر قائم ہو جائے گی۔ لیکن اس کے برخلاف اخلاقی جرم جیسے زنا کی معافی کا حق ثبوت قطعی، اور شروط کے پورے ہو جانے کی صورت میں ــــ اور یہ شروط اور شہادت کے اصول اتنے سخت ہیں کہ ان کا پورا ہونا بہت مشکل ہے ــــ نہ حکومت کو دیا گیا اور نہ شوہر اور بیوی میں سے کسی کو، کیونکہ یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں اور ان میں معافی تلافی کی صورت میں بداخلاقی عام ہو گی، زوجیت کے مقدس اور مخلصانہ رشتۂ وفا کے آئینہ صافی پر بال پڑ جائے گا، آبرو باختگی اور حیا سوزی کا دور دورہ ہو جائے گا۔ سوسائٹی میں سکون و اطمینان کے بجائے قلق، پریشانی، ندامت اور ذہنی خلجان بڑھ جائے گا اور شکوک و شبہات کا یہ طریقِ عمل آگے چل کر نفرت و حقارت کے علاوہ انتقام و غیرت کی خاطر قتل و خون کا غیر قانونی دروازہ بھی کھول دیگا۔ بہر حال اخلاق، آبرو، عصمت اور حیا کا درجہ مغربی تہذیب اور قانون میں نہ صرف یہ کہ جانی حقوق سے کم ہے بلکہ طرفہ تماشہ تو یہ ہے کہ مال سے بھی کم ہے۔ کیونکہ بعض ملکوں میں لڑکی اپنے مالی و تجارتی حقوق ــــ جو اس نے بڑی جدوجہد کے بعد کچھ حاصل کیے ہیں ــــ ان کا استعمال آزادی کے ساتھ ۲۱ سال کے بعد کر سکتی ہے۔ لیکن جنسی حقوق کا ناجائز استعمال پوری آزادی، بے حیائی اور بے شرمی کے ساتھ ۱۸ سال ہی سے قانوناً شروع کر سکتی ہے، اور قانونی عمر سے بہت پہلے سوسائٹی میں عام جنسی آوارگی اور آبرو باختگی کا اندازہ تو ہم مشرقی اور مسلمان ذہن لگا ہی نہیں سکتے۔ اور یہی وہ اخلاقی "خوبیاں" اور تمدن کے "تحفے" ہیں جنہیں ترقی کے نام پر مسلمانوں کے مغربی اور مسیحی دانا دشمنوں کی سازشوں اور لُبھانہ کوششوں سے فریب خوردہ مشرقی مسلمان نادان دوست اسلامی معاشرہ میں طرح طرح کے نام

بدل کر پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں ؎

فرنگیوں کو عطا خاکِ سوریا نے کیا — نبی عفت و غم خواری و کم آزاری
صلہ فرنگ سے آیا ہے سوریا کے لیے — مے و قمار و ہجومِ زنانِ بازاری

۱- اسلام میں بین الاقوامی تعلقات، اسلامی ملکوں اور غیر اسلامی ملکوں کے ساتھ

۹ مئی کی صبح کانفرنس کا چھٹا اجلاس شروع ہوا۔ پچھلی مجلس کے موضوع پر مباحثے کے بعد آج کا موضوع شروع ہوا۔ اس موضوع میں یہ بات اہم ہے کہ اسلام نے اس سلسلے میں بھی ایسے کُلّی اصول عطا کیے ہیں جن کی روشنی میں بین الاقوامی تعلقات قائم کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔ آج یورپ و امریکہ میں بھی اِس موضوع پر امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانی کو امامت کا درجہ عطا کیا جا رہا ہے، اور ان کے نام سے بین الاقوامی سوسائٹیاں بن رہی ہیں۔

اس موضوع میں تفصیلی طور پر دارالاسلام، دارالحرب، دارالمعاہدہ اور دارالموادعہ وغیرہ کی اسلامی اصطلاحوں پر بات ہوئی۔ اس بات کی تردید کی گئی کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے بلکہ ثابت کیا گیا کہ اسلام اپنے فطرتِ بشریہ کے موافق قوانین اور منصفانہ اصولوں، انسانی کرامت کے احترام اور بے شمار خوبیوں کی وجہ سے پھیلا ہے۔ تلوار کا استعمال شریعت کی حفاظت، جان و مال کی حفاظت اور اسلامی زمین اور آبرو کی حفاظت کے لیے کیا گیا، اور ہمیشہ تلوار توپ اور بم کا استعمال ضروری ہے، یعنی جہاد فرض ہے، کیونکہ ایسی ابلیسی سرشت طاقتیں ہمیشہ دنیا میں موجود رہتی ہیں جو طاقت کی منطق کے سوا کسی دوسری چیز سے ہوش میں نہیں آتیں، اور اسلامی ممالک میں سامراجی طاقتوں کا داخل ہونا اور مدتِ دراز تک قابض رہنا اس کی بڑی دلیل ہے کہ جب قوت کمزور ہوتی ہے تو اسلام دشمن عناصر غلبۂ باطل کے منصوبے بناتے ہیں ـــــ اور یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ آج دنیا کی ساری حکومتیں جنگی تیاریوں اور اسلحہ پر بے دریغ پیسہ خرچ کرتی ہیں اور وزارتِ جنگ کا نام ڈیفنس یا دفاع کی وزارت رکھتی ہیں اور ان کی اس وزارت پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ بلکہ راقم ایک نیا استنتاج پیش کرتا ہے وہ یہ کہ آج ترقی یافتہ قومیں جبری فوجی ٹریننگ تمام بالغین کے لیے مقرر کرتی ہیں اور اس سے انکار کرنے والوں کو سزا بھی دی جاتی ہے۔ لیکن اگر اسلام جہاد کو فرض قرار دیتا ہے، اور یہ ایسا جامع لفظ ہے جو جنگ اور ڈیفنس دونوں سے زیادہ اہم معنی اپنے اندر رکھتا ہے، اور تقویٰ و اخلاق و مجاہدہ کا مظہر بھی ہے، اور یورپ سے

تیرہ سو سال قبل ہر مسلمان پر اس نے فوجی ٹریننگ لازمی قرار دی ہے تاکہ وہ اپنے عقیدہ، آبرو اور حدود کی حفاظت اسلام دشمن طاقتوں کے مقابلے میں کر سکیں تو اس پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ یہ تماشا، جہالت و تعصب، تنگ نظری اور واضح طور پر اسلام سے حسد و بغض و نفرت کا مظہر نہیں تو اور کیا ہے؟ وہی عمل جسے دنیا کی ساری قومیں ہمیشہ کرتی ہیں، اسلام بھی اگر اسے زیادہ منظم اخلاقی اور محتاط طریقے پر کرے تو اسلام دشمنوں کے باشعور ضمیر فوراً چونک پڑتے ہیں، اور یہی باشعور اور بیدار ضمیر ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی نعوذ باللہ خدا کی طرف سے ایسے سخت احکام صادر کرائے ہیں جن کی رُو سے جنگ میں شریک ہونے والے اور نہ ہونے والے، غیر مسلح شہری بلکہ پُرامن اور دشمنی ظاہر نہ کرنے والی دوسری قومیں تک سب کی سب تلوار سے قتل کی جاتی ہیں اور نہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں سمیت شہر تک جلا دیئے جاتے ہیں اگر ان میں عبادتِ باطلہ جاری ہو جاتے (استثناء ۱۳: ۱۲-۱۸ و ۲۰: ۱۰-۱۸)۔ اور اس سے بھی زیادہ سختی، شدت بلکہ ظلم کا رویہ اکثر یہودی اور مسیحی تاریخ کے ہر دور میں ملتا ہے۔ صرف مثال کے طور پر مستشرقین کے زندہ ضمیر گروہ کو خلیفہ موسیٰ یشوع کی طرف منسوب کردار جو یریحو (اریحا) شہر کی فتح کے وقت پیش کیا گیا تھا، سنانا چاہتا ہوں: "اور انھوں نے ان سب کو جو شہر میں تھے کیا مرد کیا عورت کیا جوان کیا بڈھے، کیا بیل کیا گدھے کیا بھیڑ سب کو تلوار کی دھار سے بالکل نیست کر دیا۔ پھر انہوں نے اس شہر کو اور جو کچھ اس میں تھا سب کو آگ سے پھونک دیا اور فقط چاندی اور سونے کو اور پیتل اور لوہے کے برتنوں کو خداوند کے گھرانے کے خزانہ میں داخل کیا" (یشوع ۶: ۲۱-۲۴)۔ نیز ان کارناموں کی رونگٹے کھڑے کر دینے والی تفصیل مزید: ۸: ۲۸ اور ۱۱: ۱۰ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ تاریخی تفصیل کا یہ موقع نہیں ورنہ یہ دردناک داستان اتنی طویل ہے کہ پوری ایک کتاب اس کے لیے ناکافی ہے۔ بہر حال یہ زندہ ضمیر لوگ تتار لمان کی اُسی نسل سے ہیں جس نے سیکسونی، بوہیمی اور متعدد یورپین وحشی قوموں کو تلوار کے زور سے مسیحیت میں داخل کیا تھا۔ یہی وہ باشعور ضمیر ہیں جنہوں نے دو سو برس تک تلوار و تفنگ کے ذریعہ بلا کسی قانونی حق کے برصغیر ہند پر حکومت کی تھی، مشرق وسطیٰ میں پھانسیوں کے تختے لٹکائے تھے، اور ہیروشیما کو جہنم زار بنایا تھا، اور تاریخ کی سب سے زیادہ تباہ کن دو جنگیں لڑی تھیں اور جن کے کارخانوں میں آج بھی دنیا کے سب سے مہلک ہتھیار بے شمار بن رہے ہیں، اور ان سب کوششوں کا نام قیامِ امن ہی کی کوششیں رکھا جا رہا ہے لیکن ہلاکت و بربادی، خونخواری و ستم کیشی اور ظلم و ستم صرف اسلام کا فریضۂ جہاد ہی ہے؟ بہر حال حق پسند

اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلامی جہاد تاریخ کا سب سے پہلا منظم جنگی اور اخلاقی قانون ہے اور آج بیسویں صدی میں ماڈرن فوجیں ایک طرف فوجی تربیت ہر شخص پر لازمی قرار دے رہی ہیں اور دوسری طرف جنگ کو کسی قدر اخلاقی بنانے کے لیے جنیوا رولز وغیرہ بنا رہی ہیں جو آج تک اس کے عشر عشیر کو نہیں پہنچ سکے جو اسلام نے تیرہ سو سال قبل اپنائے تھے۔

موضوع اہم تھا اور دماغ کے بند دروازے کھل گئے اس لیے کچھ تفصیل میں چلا گیا تھا۔ اب پھر کانفرنس کی طرف رُخ کرتا ہوں ـــــ یہ بات بتائی گئی کہ دراصل امتِ اسلامیہ ایک امت ہے، لیکن حالات کے پیشِ نظر متعدد اسلامی ملک ہیں۔ اگر قیادت امین ہاتھوں میں ہو تو اس تعدّد کے باوجود بھی متحد قانون بنایا جاسکتا ہے اور اسلامی ملکوں سے تعلقات و روابط اسلامی بنیادوں پر مخلصانہ، دوستانہ اور برادرانہ ہونے چاہییں دوسری دشمن حکومتیں ہیں جو اسلام کی مخالف ہیں اور عملی طور پر مسلمانوں کے خلاف اقدام کرتی ہیں۔ تیسری وہ غیر مسلم حکومتیں ہیں جن سے ہمارے معاہدے ہیں، وہ ہمارا احترام کرتی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ظلم و ستم اور تعصب سے پیش نہیں آتیں، اور دوستی کا احترام کرتی ہیں۔ ہم بھی ان سے عہد و پیمان کا احترام کرتے ہیں اور ان سے بلاوجہ دشمنی نہیں کرتے کہ اسلام انسانی احترام کا قائل ہے اور عہد شکنی کی مذمت کرتا ہے تفصیلی طور پر اسلامی حکومتوں کے زمانہ میں غیر مسلم حکومتوں سے تعلقات، معاہدات اور ہدایا وغیرہ کی بھی تفصیلی بحث کی گئی۔ اقوامِ متحدہ کے اصولوں پر بھی گفتگو ہوئی۔ اس موضوع پر تین حضرات نے بحث کی ڈاکٹر مصطفیٰ حسنین، ڈاکٹر محسن الشتشکلی اور ڈاکٹر محمد عبد الحلیم لیکچرار لغۃ و شریعۃ کالج و ممبر اسلامی قانونی کمیٹی برائے تعدیل قوانین حالیہ۔ آپ کی تعلیم زیادہ دینی نہیں ہے بلکہ سربون یونیورسٹی فرانس سے بین الاقوامی قوانین پر تین پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں لیکن قلب و نظر اسلام کی حقیقت سے باخبر ہیں اس لیے دل کے بادشاہ ہیں اور دیارِ غیر میں رہنے، اور پڑھنے کے باوجود اپنے سرمایۂ حیات پر نازاں اور فقہ اسلامی کی قدر و عظمت پر فریفتہ ہیں۔

۷۔ اسلامی شریعت میں حدود اور نئے قوانین میں انکی تطبیق | بین الاقوامی تعلقات کے بعد آج کا اصلی موضوع شروع ہوا۔ یہ حقیقتِ حال تمام اہلِ فکر و نظر کے سامنے واضح ہے کہ آج کے عصرِ حاضر میں جہاں مغربی سوسائٹیوں کا معیارِ اخلاقی انحطاط و زوال کی آخری ڈگری پر پہنچ چکا ہے اور قتل و غارتگری، چوری، ڈاکہ، رہزنی، حرام کاری اور حرام خوری وغیرہ جیسے عیوب عام ہو چکے ہیں اور ان کے روکنے کی ساری

تدبیریں بے سُود ہوتی جا رہی ہیں، بلکہ جرائم میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے، تمام قانون بنانے والے ادارے حیران و پریشان ہیں۔ جیلوں، عدالتوں، ججوں اور وکیلوں کی ہر جگہ بہتات ہے۔ پھر بھی انصاف و عدالت کے خواہاں مضطرب اور بے چین ہیں ـــ اس پریشان اور مضطرب ماحول میں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس اخلاقی انحطاط کے خلاف کوئی مؤثر اقدام کیا جاتا، لیکن اس کے برخلاف مجرموں کے ساتھ نت نئے ناموں اور بہانوں سے رحم و کرم کا جذبہ اُبھر رہا ہے اور اس کے زیرِ سایہ اسلامی حدُود پر وحشیانہ، بدویانہ، ظالمانہ اور عصرِ حاضر کے ذوق کے خلاف ہونے کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ تاریخ و تجربہ کی مسلّم الثبوت شہادت ہے کہ سوسائٹی کو سکون سے آشنا بنانے کے لیے جتنے بھی قوانین آج تک پردۂ ہستی پر بنائے گئے ان میں اسلام کا نظامِ تربیت و اخلاق اور اس کے بعد نظامِ حدُود سب سے زیادہ مؤثر اور کارگر ہوا ہے۔ کیونکہ اسلام پہلے تو اپنی تعلیمات کے ذریعہ خدا پرستی، معرفتِ نفس، اخوت، ہمدردی اور طہارت و عفت کے عالی جذبات پیدا کرتا ہے، لیکن اگر چند بے راہرو شیطان نفس کی اتباع کرنا چاہتے ہیں اور سوسائٹی میں فواحش پھیلانا چاہتے ہیں تو اسلام ان کو سخت سزا دے کر سوسائٹی کو پاک و صاف بنانا چاہتا ہے۔ اور اسلامی حدُود ایسی نہیں ہیں کہ اگر نافذ ہو جائیں تو عوام پریشان ہو جائیں، بلکہ اس کے برعکس سب سکون و چین کی نیند سو جائیں۔ چوری، ڈاکہ، قتل، بے آبروی اور حرام کاری کا ہر داغ مٹ جاتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جو لوگ ان اعمال کے گرویدہ اور دلدادہ ہیں انہیں اس سے بہت نقصان ہوگا اور وہ اس کے قیام کے خلاف ہمیشہ اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ پھر حدُود کو نافذ کرنے میں جس احتیاط، گواہی کے شروط اور سخت اصولوں کو سامنے رکھنا پڑتا ہے اور چھوٹے سے چھوٹے شک یا شبہ سے حدود ختم ہو جاتی ہیں، اس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ اسلام نے ایک طرف انصاف و عدالت کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے اور دوسری طرف علاج، دوا اور پرہیز کے بعد حدُود کو قائم کیا ہے۔ ہر شخص کو پیٹ بھر کر روزی اور بنیادی ضروریات مہیا کرنا اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ پھر اس کے بعد حرص و ہوس اور معیارِ زندگی کے چکر میں پڑ کر اگر کوئی چوری کرے گا تو یقیناً اسے سزا دی جائے گی، اسلام نے شادی کے معاملہ میں آسانیاں مہیا کیں، پھر نا چاقی کی صورت میں طلاق میں رکاوٹیں نہیں ڈالی گئیں، ایمان و اخلاق و تقویٰ کا درس دیا گیا۔ اس کے بعد بھی حرامکاری کرنے والے کو سزا دی جائے گی۔ لیکن گواہی کی ایسی سخت شرطیں رکھی گئی ہیں کہ تاریخ اسلام میں آج تک زنا کے سلسلہ میں کوئی سزا گواہی کے ذریعہ نہیں ہوتی ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُس

فعلِ قبیح کی مذمت ظاہر کرنے کے لیے اور سوسائٹی میں فواحش پھیلنے کو روکنے کی خاطر قانون میں یہ لم رکھی گئی ہے جس کا مشاہدہ یورپ و امریکہ کے پارکوں، کلبوں، سڑکوں اور رفاہِ عام کی جگہوں پر ہوتا رہتا ہے۔ چوری چھپے سہمتے ڈرتے گھر کی چار دیواری میں گناہ سمجھتے ہوئے بدفعلی کا صدور ہر اُس جگہ جہاں انسان رہتے ہیں ممکن ہے لیکن علانیہ، قانون کے ذریعہ، لوگوں کی نظروں کے سامنے ثواب سمجھ کر ہر قسم کی فطری و غیر فطری بدکرداریوں کو جواز کا فتویٰ تو غلاظت و نجاست کے عروج کے زمانہ میں رومن امپائر کے منچلے تک نہ دے سکے تھے جیسے آج قانونی سند مغربی تہذیب کے دیوانوں نے دے رکھی ہے۔

اس سلسلہ میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ مثال کے طور پر چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ چوری کی وجہ سے اکثر اوقات گھرانوں کا سکون مٹ جاتا ہے، برسوں کی پونجی لُٹ جاتی ہے اور نوبت چور کی طرف سے قتل تک کی آجاتی ہے اور سوسائٹی میں کسی طرح چوری ختم نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف جب اسلامی حدود نافذ تھیں شاذ و نادر ہی چوری ہوتی تھی اور آج بھی دنیا میں سب سے کم چوری کی شرح سعودی عرب میں ہے حیرت نہیں تو اور کیا ہے کہ وحشی، لٹیری اور چوری کی عادی قوم — آج سے پچاس سال قبل کے احوال جاننے والے اس حقیقت سے باخبر ہیں — کس طرح ایماندار اور چوری سے باز رہنے والی قوم بن گئی۔ کوئی صاحب اس کی یہ توجیہ و تاویل نہ کریں کہ مال و زر کے انبار انہیں مل گئے۔ کیونکہ امریکہ یقیناً سعودی عرب سے زیادہ مالدار، زیادہ تعلیم یافتہ، اور عصرِ حاضر کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک ہے۔ وہاں چوری اور دوسرے سنگین جرائم کی شرح سب سے زیادہ ہے اور اس کے حساب کے لیے اب منٹ تک ناکافی ہو کر نوبت سکنڈوں تک آگئی ہے۔ اس کے مقابلہ میں ابن سعود کی پوری مدتِ حکومت ۲۴ سال میں صرف ۱۶ چوری کی وارداتیں ہوئی تھیں، جبکہ ابن سعود کا شروع زمانہ فقر و مصائب اور مشاکل کا زمانہ تھا۔ یہ بجا ہے خود اس اعتراض کا بھی جواب ہے کہ اگر اسلامی قانون نافذ کر دیا جائے تو سوسائٹی میں ہر طرف ٹنڈے ہی ٹنڈے نظر آئیں گے۔ یہ اعتراض بالکل قابلِ اعتبار نہیں کیونکہ اس طرح تو پھر ہر اچھی چیز چھوڑنی پڑے گی۔ موٹروں کو ایکسیڈنٹ کے خطرے اور سوسائٹی میں اپاہج پیدا کرنے کے الزام میں چھوڑنا پڑے گا۔ ہوائی جہاز، فیکٹریاں، تعمیر و ترقی کے سارے پلان بند کرنے پڑیں گے کیونکہ عام فائدہ کی ہر چیز میں کسی نہ کسی فرد کے لیے نقصان نکل ہی سکتا ہے۔

اس سلسلے کی آخری بات رہ گئی۔ میں یہاں قدیم و جدید قوموں کے قوانین پر ناقدانہ گفتگو کرنا نہیں

چاہتا بلکہ صرف عصرِ حاضر کے ترقی پسند، آزاد، مہذب ذہن اور زندہ ضمیر سے جو حدود کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کرے کہ قاتل کو قتل کیا جائے، چور کا ہاتھ کاٹا جائے اور اسلامی قصاص و حدود کو وہ قبول کرے جس طرح عالمی ضمیر نے ویٹ نام میں انسانی ہلاکت کا سامان بہم پہنچایا، اور سرخ انقلاب میں ۵۰ لاکھ انسانوں کو آزادی اور مساوات کے نام پر خاک و خون میں تڑپایا۔ پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کی اجازت دی، چور کی سزا قتل تک تجویز کی، سامراجی زمانہ میں پھانسی کے تختے لٹکائے، پھر انسانی چربی سے صابون بنائے گئے، انسانی کھال جوتوں میں استعمال کی گئی، آتشیں بموں نے جسموں کو خاکستر بنایا، پستول کی گولیاں چوروں اور ڈاکوؤں کے ذریعہ ہر پُرامن شہری کے سینہ کو داغدار کرنے کا ارمان رکھتی ہیں، اور آبرو باختگی اور جنسی انارکی کے مریض ہر عفت مآب گھرانے کا سکونِ دل لوٹنے کے لیے بیقرار نظر آتے ہیں۔ ایسے پاکباز، طاہر و نظیف اور بیدار مشرقی و مغربی عالمی ضمیر پر ذراسی کوشش بھی اگر کی جائے تو شاید مجرم کو سزا دینے پر وہ راضی ہو ہی جائے اور اسلام کی منظم حدود اسے اپنے غیر قانونی کردار اور جنگل کے دستور کے مقابلہ میں زیادہ منصفانہ اور ہلکی نظر آئیں۔

اس موضوع پر تفصیلی بحثیں استاذ فتحی بہنسی مصر کے مشہور وکیل، اور ڈاکٹر منصور محمد الشیخ اسسٹنٹ پروفیسر لغۃ و شریعۃ کالج نے پیش کیں جن کی تفصیل کتاب ہی میں پیش کی جاسکے گی۔ حدود کے دائرہ میں حسبِ ذیل چیزیں آتی ہیں: ۱۔ ارتداد، ۲۔ حرابہ، ڈاکہ وغیرہ، ۳۔ زنا، ۴۔ قذف (اصطلاحی معنوں میں زنا کی جھوٹی تہمت)، ۵۔ چوری، ۶۔ شراب۔ بعض علماء بغاوت اور فساد فی الارض کو ساتویں حد مانتے ہیں اور بعض علماء اسے تعزیرات میں شامل کرتے ہیں، اور یہی صحیح ہے۔

۸۔ اسلام کا نظامِ تعزیر اور تطبیق کی صلاحیت یہ کانفرنس کا آٹھواں موضوع تھا جو ساتویں اور نویں سے متعلق بھی ہے لیکن فقہ اسلامی کے الفاظ اور قانونی حد بندیوں کی وجہ سے ان کو الگ الگ موضوع بنایا گیا تھا اور فقہی و علمی تعریف اور عملی تطبیق کی رو سے وہ اس کے محتاج بھی تھے۔ شرعی زبان میں تعزیر اس سزا کا نام ہے جس کی حد شارع نے مقرر نہ کی ہو اور اُولی الامر کو اس بات کا حق ہو کہ وہ موقع اور حالات کے مطابق جو سزا مناسب ہو وہ تجویز کرے۔ تعزیر کے معنی تادیب کے بھی ہیں۔ وہ جرم جن میں کوئی حد یا قصاص شارع کی طرف سے مقرر نہیں ہے، جیسے رمضان میں افطار، نماز نہ پڑھنا، لڑکیوں کو چھیڑنا، اسمگلنگ کرنا اور ہر قسم کے اجتماعی، و اخلاقی و معاملاتی مفاسد۔ ہمیشہ باقی رہنے والی شریعت کے لیے، اور نت نئے جرائم اور

مفاسد کو روکنے کے لیے اسلامی قانون میں تعزیرات کی بڑی ضرورت تھی، اور یہ انتہائی حکیمانہ قانون ہے۔ اس موضوع پر ڈاکٹر منصور محمد الشیخ، اور ڈاکٹر عبدالعزیز عامر نے مقالے سنائے۔

۹۔ قصاص کن جرائم میں ہوگا کانفرنس کا ساتواں اجلاس ۹ مئی کی شام کو شروع ہوا، اور ۶ بجے سے لیکر ۹ بجے تک بہت مفید تفصیلی بحث مباحثہ ہوا۔ اس کے بعد آج شام کا موضوع قصاص شروع ہوا قصاص کے سلسلہ میں تفصیلی طور پر عالمی ضمیر سے متعلق گفتگو ایک صفحہ قبل کر چکا ہوں۔ اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اس موضوع میں قصاص فی النفس یعنی قتل اور جان کا بدلہ داخل ہے۔ یہ بتایا گیا کہ اس سے بڑھ کر عدل اور کیا ہو سکتا ہے کہ قاتل کو قتل کیا جائے تاکہ معاشرہ زندہ رہے اور قتل کرنے والا اپنے انجام سے باخبر ہو کر قتل کا ارادہ ترک کر دے۔ جن ملکوں میں قتل کی سزا ختم ہو جاتی ہے تجربہ و مشاہدہ ہے کہ وہاں خود شرح قتل بڑھ جاتی ہے۔ قتل عمد کی صورت میں قصاص ہی سب سے زیادہ عادلانہ سزا ہے لیکن معافی کا حق ولی کو ہے، اور دیت بھی ادا کی جائے گی، قتل غیر عمد کی صورت میں دیت ادا کرنی ہوگی جو مجرم کی عاقلہ یا دیوان ادا کرے گا جس کی تفصیل احناف و دوسرے ائمہ کے اقوال فقہ کی کتابوں میں تفصیل سے موجود ہے۔ اس موضوع میں قصاص دون النفس پر بھی گفتگو ہوئی، یعنی جان بوجھ کر ہاتھ پیر یا آنکھ، ناک، کان کاٹ دینے یا تلف کر دینے کا بدلہ۔ اسلام قصاص کی شکل میں بدلہ ادا کرانے کا قائل ہے تاکہ جرم پسند طبیعتیں مجبور اور کمزور لوگوں کے اعضاء کاٹنے کی عادی نہ بن جائیں۔ معافی یا دیت قبول کرنے کا حق اسی کو ہے جس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، اور یہ بالکل صحیح اور فطری بات ہے کیونکہ مجرم کے جیل چلے جانے یا جرمانہ خزانہ شاہی میں داخل ہو جانے کی صورت میں مظلوم کی دادرسی کچھ بھی نہیں ہوتی پھر دیت کی فقہی تفصیلات اور عقلی فوائد بھی بیان کیے گئے اور یہ بھی واضح کیا گیا کہ جو اعضاء تعداد میں دو دو ہیں ان میں نصف دیت ہوگی، غلطی سے کسی عضو کے تلف ہو جانے کی صورت میں قصاص نہیں ہوگا بلکہ دیت ہوگی اور معاف کرنے کا حق مظلوم یا اس کے ولی کو ہوگا۔ دیت کی مقدار اور فقہی مباحث تفصیل طلب ہیں اور اس اختصار میں ان کو بیان کرنا مشکل ہے۔ وقت کی کمی وجہ سے آج اس موضوع پر صرف ازہر یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ ڈاکٹر محمد حسن فائد کی تقریر ہو سکی۔

۱۰ مئی کی صبح کو آٹھویں اجلاس میں کل کے موضوع قصاص ہی پر استاد فتحی بہنسی اور ڈاکٹر عمر مولود، عبدالحمید لکچرار لغۃ و شریعۃ کالج نے تفصیلی مقالات پڑھے۔　　　(باقی)